عربی زبان کی اہمیت

محمد صغیر حسن معصومی

زبانِ عربی سامی زبانوں میں نہایت قدیم' اور عبرانی زبان کی طرح اپنے اندر بڑی وسعت رکھتی ہے بلکہ عبرانی زبان تو صدیوں سے مردہ سمجھی جاتی رہی' عربی زبان تقریباً ہزاروں سال سے زندہ ہے' البتہ اس زبان کی شہرت اسلام کے ساتھ وابستہ رہی' اور عہد صحابہ سے لے کر صدیوں تک رودِ سندھ سے ساحلِ اطلانتک تک اس کا راج رہا۔ اسلام کے ساتھ جزیرۃ العرب سے یہ زبان شام' عراق' مصر اور شمالی افریقہ ہوتی ہوئی اقصائے مغرب اور اندلس اور پرتگال تک جا پہنچی' یورپ میں سندھ اور ملتان تک اور پھر جزائر مالدیپ اور جنوبی ہند کے سواحل سے ہوتی ہوئی ملایا اور جزائر انڈونیشیا تک پھیل گئی۔ گو آج سواحل چین اور اسپین اور پرتگال میں عربی کا نام و نشان نہیں مگر عربوں کی ثقافت کے جابجا کھنڈرات اور اسلامی ثقافت کے آثار ان ممالک کے رہنے والوں کے عادات و اطوار میں باقی ہیں:

تلك آثارنا تدل علينا ؏ فانظروا بعدنا إلى الآثار

(ترجمہ: یہ ہمارے نقوش ہیں جو ہمارا پتہ دیتے ہیں ہمارے بعد ہمارے نقوش کو دیکھو)

عربی زبان کی خوبیاں جو بھی رہی ہوں' اس میں کوئی شک نہیں کہ اس زبان کی اہمیت قرآن پاک کے نزول کے بعد ہی کچھ سمجھ میں آتی ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے لئے اس زبان کا انتخاب اس کی ہمہ گیری کا کھلا ثبوت ہے' ایک عالم گیر مذہب کی تبلیغ ایک عالمگیر زبان ہی کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے۔ ازل سے زبان عربی کی عالمگیریت مسلم ہو رہی تھی جس کا دنیا میں ظہور آج سے چودہ صدیوں پیشتر قرآن حکیم کے نزول سے ہوا۔

اسلام سے پیشتر لاکھوں پیغمبر مبعوث ہوئے۔ آسمانی کتابیں نازل ہوئیں مگر ان کی زبانیں اور تعلیمات

ملک کے تعلیمی، سیاسی، معاشی، معاشرتی اور قانونی مسائل کے ماہرین بھی موجود ہوں جو اپنے اپنے مضامین کو دینی ہدایات کی روشنی میں دیکھنے کی قابلیت رکھتے ہوں۔

اس ادارہ کو یہ قوت حاصل ہو کر وہ قدیم و جدید نظام ہائے تعلیم کے درمیان باہمی کشمکش ختم کر کے ایک ایسے متوازی وہم آہنگ نظامِ تعلیم کی بنیاد رکھ سکے جو تعلیم یافتہ طبقہ سے دورخی اور تصادم کے خوفناک رجحانات کو زائل کر کے مستقبل کی تاریکیوں کو روشنی سے بدل دے۔ یہ مسئلہ نہایت اہم ہے اور اس سے غفلت خوفناک نتائج کی حامل ہو سکتی ہے۔

سورۃ التوبۃ کی آیت نمبر ۱۲۲ ہماری قومی زندگی میں دین کو کارفرما رکھنے، دینی علوم پر توجہ دینے اور دینی تفقہ پیدا کرنے والوں کی ذمہ داریوں پر نہایت حکیمانہ طریقہ سے روشنی ڈال رہی ہے۔ اس آیت میں ارشاد یہ ہوا ہے کہ تمام لوگ اپنی پوری توجہ ایک ہی موضوع یا ایک ہی کام پر مبذول نہیں کر سکتے کیونکہ اس طرح معاشرہ میں توازن باقی نہیں رہتا۔ سب لوگ اگر جنگ کے میدان میں پہنچ جائیں گے تو کارخانے کون چلائے گا؟ زمینوں کو کون آباد کرے گا؟ داخلی انتظامات کی نگرانی کون کرے گا؟ لہٰذا اُمت کا فرض ہے کہ مختلف ضرورتوں کے لئے علیٰحدہ علیٰحدہ کاملینِ فن اور خصوصی ماہرین تیار کرے، اسی طرح دینی مہارت وکمال اور تفقہ فی الدین کے لئے ہر بستی اور آبادی سے ایک جماعت مرکزی دینی ادارہ میں بھیجی جائے جو محنت شاقہ اور ضروری تربیت کے بعد دینی بصیرت اور معاملہ فہمی کا ملکہ حاصل کر کے اپنے اپنے علاقوں میں واپس جا کر "اِنذار" کا فریضہ انجام دے۔

اِنذار کے معنی خطرات سے آگاہ کرنا اور بدعملی کے بُرے انجام سے خبردار کرنا ہے۔ انذار یا تو اللہ تعالیٰ کی وحی کی روشنی میں ہوتا ہے یا پھر یقینی تجرباتی علوم کی بنا پر۔ موخرالذکر صورت میں پوری معلومات رکھنا شرطِ اوّلین ہے، جس طرح ایک طبیب جو کسی جڑی بوٹی کے خواص سے پوری طرح باخبر نہ ہو اس کی تاثیر بد سے کسی کو نہیں ڈرا سکتا اسی طرح ایک مُتَفَقِّہ فی الدین اگر اقوام کے عروج وزوال کے اسباب سے باخبر نہ ہو وہ فریضہ انذار کو بحسن وکمال انجام نہیں دے سکتا، لوگوں کو باخبر کرنے کے لئے خود خبردار ہونا ضروری ہے۔

عقاید خاص قوم و ملک تک محدود رہے۔ چین کی یہ حالت آج تک ہے کہ اس کی ثقافت دیوارِ چین سے گذر کر دنیا تک نہ پہنچ سکی۔ ہندوستان کی مقدس کتاب ایسی زبان میں تھی جس کو برہمنوں کے سوا دوسرے لوگ بولنے اور سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے اس کی شرحیں سنسکرت کے سوا دوسری زبان میں لکھی گئیں۔ یونانیوں کا فلسفہ اور یونانی کلچر دونوں، اس میں شک نہیں کہ یونان سے نکل کر براعظم ایشیا اور براعظم افریقہ کے ساحل تک پھیل گئے، مگر ان کی زبان کو فروغ حاصل نہ ہوا، رومیوں نے یونانیوں کو زیر کیا تو براعظم یورپ پر تو چھائے رہے اور آج بھی وہاں ان کے روایات باقی ہیں، مگر براعظم ایشیا اور افریقہ سے ان کا بھی بالکلیہ استیصال ہوگیا۔ ایرانیوں کو مانوی اور زرتشتی تہذیب و ثقافت پر ہزار افتخار ہو مگر یونانیوں اور رومیوں کے ہاتھوں ان کا کس بل نکل چکا تھا، اور عربوں کے آگے عجمی ہی کہلائے۔ کسریٰ کے دربار کا طنطنہ جو بھی رہا ہو، یہ حقیقت ہے کہ آج اس کے اوصاف و مدائح زیادہ تر عرب شعراء نابغہ، اعشی، عدی بن زید ہی کے اشعار و قصائد میں محفوظ ہیں اور قدیم ایرانی زبان میں کوئی قابل اعتبار تذکرہ محفوظ نہیں۔

رومیوں کی شکست کے ساتھ ساتھ شام، لبنان، فلسطین، مصر، لیبیا، تیونس، الجزائر اور مغرب تک فتوحات کے ساتھ ساتھ زبان و تہذیب عربی ہوگئی اور آج تک یہی زبان قائم ہے گو کہ وہ اسلامی تہذیب بظاہر یورپ کی تہذیب سے بڑی حد تک بدل چکی ہے مگر عوام اور کم تعلیمیافتہ طبقوں میں اب بھی اسلامی تہذیب و ثقافت طرۂ امتیاز ہے جس سے اہل اسلام اور غیر مسلموں میں تفریق کی جاسکتی ہے اور ایک دوسرے سے پہچانے جاسکتے ہیں۔ آج ممالک اسلامیہ میں تہذیب نو کے گرویدہ عیسائیوں اور یہودیوں سے اتنے مشابہ ہیں کہ آسانی سے اُن کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ قومی وحدت کا یہ شیرازہ آج ایسا بکھرا ہے کہ خود اسلامی قدریں بیکار اور مہمل نظر آرہی ہیں اور ان اقدار کے نیست و نابود ہوجانیکی وجہ سے سارے عالم کے اہل اسلام ثانوی حیثیت سے زیادہ قدر و قیمت نہیں رکھتے۔ کسی قوم کو اپنی خصوصیتیں اور اپنی روایات ہی اس کی شخصیت کی بقاء کی ضمانت کا بار اٹھا سکتی ہیں۔ اگر یہ خصائص و روایات بھی مستعار ہوں تو پھر ظاہر ہے ایسی قوم کی حیات دوسروں کی رہین منت ہو کر رہ جاتی ہے اور بظاہر اس کی بقاء کی کوئی سبیل نہیں معلوم ہوتی۔ خدا ہی اس کا حافظ و ناصر و نگہبان ہے۔ بالفاظ دیگر اگر عربی بولنے والے عربی قومیت کے سہارے جینا چاہتے ہیں

تو اس قومیت کا اللہ ہی والی ہے اور ایسی قومیت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی کیونکہ زبان کسی قوم کی ترقی و فلاح میں ممد و معاون تو بن سکتی ہے مگر حیات پھونک نہیں سکتی اور نہ چراغ سحری جیسی حیاتِ زندگی کو نشو و نما عطا کر سکتی ہے۔ بطور مثال، آج انگریزی زبان سب سے زیادہ عالمگیر ہے اور انگریزوں کا سرمایۂ ادب بھی مالامال ہے۔ مگر تقریباً دو ہی صدیوں میں انگریز قوم کا زور ٹوٹ چکا ہے، اور جن کے قلمرو میں کبھی سورج ڈوبتا نہ تھا، آج ان کا آفتاب ڈوبتا نظر آتا ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی زبان انگریزی ہوتے ہوئے بھی ان کا اپنا وقار اور زور دنیا کی دوسری ترقی پذیر اقوام کے آگے گھٹتا ہی جا رہا ہے۔

غرض زبان خود کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ فکر اور اعلیٰ خیال کے اظہار سے زبان کی قیمت بڑھتی ہے۔ زبان عربی کی اہمیت ذاتی نہیں، اسلام سے پہلے اس زبان کو بولنے والے چند لاکھ نفوس سے زیادہ نہ تھے ان کی شاعری کا میدان بھی نہایت تنگ تھا، شعراء اور خطباء کے علاوہ زبان آوری کا دعویٰ کرنے والے شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں۔ اس زبان کے لکھنے پڑھنے کا رواج بھی بہت کم تھا، باوجودیکہ نصرانی اور یہود قبیلے صدیوں سے سرزمین عرب میں جا بجا موجود تھے۔ انجیل و توریت کا کوئی ترجمہ عربی زبان میں نہیں ملتا، نہ ایسے ترجمے کی کبھی ضرورت سمجھی گئی۔ عام بول چال کے سوا اس زبان کا استعمال تحریری طور پر بہت ہی نادر تھا، معمولی خط و کتابت کے علاوہ کسی ادبی تحریر کا آج تک سراغ نہ مل سکا۔ اور اقوام عرب قرآن حکیم کے سوا کوئی اور اولین تحریری، علمی و ادبی نمونہ پیش نہیں کر سکیں

آج سے چودہ صدی پیشتر خاتم الرسل سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی الٰہی کے ذریعہ قرآن حکیم نازل ہوا اور اس کی اولین آیت پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد خداوندی ہوا: اقرأ باسم ربك الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ وربك الاکرم، الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیدا کرنے والے پروردگار کے نام سے پڑھئے جس نے قلم سے علم سکھایا اور انسان کو وہ سارا کچھ سکھایا جس کو وہ نہیں جانتا تھا

اس آیت پاک میں اولین حکم قرأت (پڑھنے) کا نازل کیا گیا ہے اور علم کی ابتدا عمل یعنی زبان سے لفظوں کی ادائیگی اور آیات کے تلفظ کے ساتھ کی گئی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی خالقیت اور ربوبیت کے ذکر سے اپنے نام کی عظمت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور چونکہ سارے عالم میں انسان ہی وہ مخلوق ہے جسے عقل و شعور، فہم و فراست سے نوازا گیا ہے، اس لئے اس عظیم المرتبت اور ساری مخلوقات پر

اپنی برتری جتانے والے انسان کی خلقت "پڑھنے کی چیز" کا اظہار قلم سے ہوتا ہے۔ اس لئے تعلیم بالقلم کے ذکر سے اللہ باری تعالیٰ کی عظمت وبزرگی کا اعادہ کیا گیا ہے اور ساتھ ہی انسان کو علم کے زیور سے آراستہ کرکے اس کی اہمیت ووقار کا اظہار نہایت ہی اختصار کے ساتھ بڑی خوش اسلوبی سے کیا گیا ہے

اللہ بزرگ وبرتر نے قرآن پاک کے متعلق اتمام حجت کے لئے اس بات کا اعادہ بار بار کیا ہے کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ ایسی کتاب لوگوں کو دی جس کی آیتیں الگ الگ کردی گئی ہیں۔ عربی زبان میں قرآن ایسی قوم کے لئے ہے جو جانتے ہیں (کتابٌ فُصِّلت آیٰتہٗ قرانًا عربیاً لقوم یعلمون :حم السجدہ : ۳) ہم نے اس کتاب کو عربی قرآن بنایا تاکہ تم لوگ سمجھو (اِناجعلنٰہ قرءٰانا عربیا لعلکم تعقلون ، زخرف : ۳ : یوسف[۱۲] : ۲) کتاب ہدایت کو عربی قرآن بنایا جس میں کوئی کجی نہیں ہے، تاکہ تم لوگ اللہ سے ڈرو۔ (قرانا عربیّا غیر ذی عوج لعلکم تتّقون، الزمر[۳۹] : ۲۸، الکہف[۱۸] : ۲) یہ وحی ایسی زبان میں اتری جو عربی (ظاہر وباہر) ہے اور بیّن و واضح ہے (للسان عربی مبین)

یہ آخری آیت درحقیقت واضح کردیتی ہے کہ یہ آخری کتاب الٰہی عربی زبان میں اس لئے نازل کی گئی کہ یہی زبان واضح صاف اور کھلی ہوئی ہے۔ دوسری ساری زبانیں ایسی نہیں ہیں۔ نیز آیات مذکورہ بالا سے یہ ثابت ہے زبان عربی ہی ایسی زبان ہے جس میں کوئی کجی اور پیچ نہیں۔ دوسرے الفاظ میں اگر قرآنی آیتیں کسی دوسری زبان میں ہوتیں تو اس میں پیچیدگی ہونے کی وجہ سے نہ صاف وظاہر ہوتیں اور نہ بسہولت سمجھ ہی میں آتیں۔ یوں تو اسلام کی بعض تعلیمات کو تمام اگلے پیغمبروں نے کم وبیش اپنی اپنی قوموں تک پہنچایا اور توحید ورسالت کے متعلق لوگوں کے لئے عقائد کی وضاحت کی، مگر پیغمبر آخرالزماں کے لئے اسلام کی عالمگیر تعلیمات کو کمال تک پہنچایا گیا۔ پھر ان عالمگیر وکامل ترین تعلیمات کے لئے عربی زبان کا انتخاب عمل میں آنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ زبان بڑی فضیلت رکھتی ہے اور دنیا بھر کی زبانوں پر فوقیت رکھتی ہے۔

اسلام کو اپنا دین سمجھنے کے بعد عربی زبان کی اہمیت ہر طرح سے بڑھ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام عربی زبان میں ہے، حضور روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان عربی تھی، آپؐ کے اقوال مکرمہ اور آپؐ کے افعال مقدسہ کی وضاحت عربی زبان میں ہے اہل جنت کی زبان عربی، اور موت کے بعد، لوگوں کی عام زبان عربی ہوگی جیسا کہ قرآن پاک کی آیتیں اس بارے میں واضح طور پر صراحت کرتی ہیں۔ پھر

عربی زبان سے محبت کیوں نہ کی جائے؟ اور اس کی عظمت و برتری مسلمانوں کے دلوں میں کیوں نہ پیدا ہو؟ ایک سچے مسلمان کی شناخت یہ ہے کہ دوسرے مسلمان کو دیکھتے ہی "السلام علیکم" کہے اور حال احوال کہنے سننے کے بعد "الحمدللہ" کہے، اور رخصت ہو تو بھی "السلام علیکم" کہے۔ غرض مسلمان کا سخن تکیہ عربی ہے، اور عربی جملے ہی سے اس کی گفتگو کا آغاز اور انتہا ہیں فالحمدللہ ثم الحمدللہ!

سامی زبانوں میں عبرانی اور عربی دونوں زبانیں نہایت قدیم ہیں۔ عبرانی تو مردہ ہو چکی، البتہ یہودیوں کی توجہ سے نئی عبرانی کا نام سننے میں آرہا ہے ورنہ سنسکرت کی طرح صرف گنتی کے چند حلقوں میں پڑھی جاتی تھی۔ انجیل توریت اور زبور تو صرف انگریزی یا اور کسی زبان میں ترجمے میں پڑھی جاتی ہیں کہ اصل عبرانی یا کنعانی مفقود ہے، اور آج اس کی اصل زبان کی تعیین بھی بہت مشکل ہے۔ بہرکیف، عبرانی میں بائیس حروف ہجا ہیں (ابجد ہوز حطی، کلمن، سعفص، قرشت) اور عربی زبان میں چھ حروف کا اضافہ ملتا ہے (+ ثخذ ضظغ)۔ پھر قدماء نے عربی حروف ہجا کو نہایت عمدہ ترتیب بخشی۔ مماثل حروف کو یکجا کیا۔ صرف و نحو کے قواعد کے ساتھ ساتھ فصاحت و بلاغت کی تشریح و توضیح کی، معانی، بیان، حقیقت و مجاز، استعارہ، کنایہ، جناس، تشبیہ، فصل و وصل، لغات و امثال سب کی تدوین نہایت علمی طریقے سے مفید طور پر کی۔ ہجاء، املا، رسم خط، حسن ادا، قرارت، الفاظ کی صحت و تحسین غرض ہر فن کو مستقبل طور پر مرتب کیا۔ اور علمی تشریح و تدوین کے ساتھ بڑی ترقی دی۔

ان علوم کی تدوین کے ساتھ ساتھ وحی الٰہی کی تحلیل و تجزیہ میں غور و خوض کرنے لگے۔ نزول آیات کی چھان بین کے ساتھ اوقاتِ نزول، مقام نزول، اور ان مواقع سے بھی معرفت حاصل کی جب یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ پھر الفاظ کے معانی اور مفہوم کی تشریح کی طرف توجہ کی۔ اس طرح واقعات و روایات، نیز احکام و شرائع کی تفصیل کی تدوین کی ضرورت پیش آئی۔ پھر راویوں کے حالات و اخلاق ان کے ناموں اور شخصی حالات، مختلف صحابہ کی زندگی کے تفصیلات و تشریحات بذاتہا خود علوم کی شکل اختیار کرنے لگے، اور دیکھتے دیکھتے علم الحدیث، علم التفسیر، علم الرجال، علم الفقہ، اصول حدیث، اصول تفسیر، اصول فقہ، اصول روایت و درایت، علم اللغۃ، علم اشتقاق اللغۃ، علم التاریخ وغیرہ سارے علوم آہستہ آہستہ مدوّن ہو گئے۔ پھر اجنبی اقوام سے ملنے کے بعد ان کے افکار و علوم کا اثر اس طرح عام ہونے لگا کہ دوسری اقوام کے علوم کی تحصیل کے بعد ان کی تشریح و تفصیل اسلامی طرز

پر کرنے لگے، اور عربی زبان کو دو تین صدیوں کے اندر ایسی ثقافتی اور علمی زبان بنا دیا کہ دوسری اقوام دیکھکر مبہوت رہ گئیں۔ دیکھتے دیکھتے یہود و نصاریٰ، ایرانی، مصری اور ترکی و ہندی سب کے سب زبان عربی میں اپنی علمی جولانی دکھانے لگے۔ یونانی فلسفہ، سائنس، طب و جراحت اور سارے علوم عربی میں منتقل ہو گئے۔ اور بقراط، فیثا غورس، افلاطون، ارسطو، جالینوس اور بطلیموس وغیرہ کے بعض رسائل آج صرف عربی زبان میں باقی رہ گئے ہیں اور اصل یونانی نصوص امتداد زمانہ کی نذر ہو گئے۔ یونانیوں کا علمی سرمایہ اسکندریہ اور انطاکیہ کے راستہ سے عربی میں منتقل ہو گیا اور پھر صیقلہ، اطالیہ، تھریس اور اسپین کے ذریعہ یہ یونانی سرمایہ دوبارہ یونان اور ممالک یورپ میں جا پہنچا، اور اس طرح یورپ میں ذہنی انقلاب رونما ہوا اسلامی شروح اور حواشی نے اہل یورپ کے ذہنی قوی کو زندگی عطا کی، اور دیکھتے دیکھتے علوم و سائنس کا فروغ شب و روز بڑھتا گیا۔

بعض صداقت پسند یورپین محققین کا بیان ہے: "اسلام نے حقیقت میں یورپ کے اقوام کی بربریت کو روشن ضمیری، اور آج کی مغربی تہذیب و ثقافت سے بدل دیا۔ یورپین اقوام صحت و صفائی کا بالکل خیال نہیں کرتے تھے، جسمانی گندگی کے ساتھ ذہنی کثافت بھی رکھتے تھے۔ اندھیرے غاروں میں رہتے تھے، ساگ سبزی، طرح طرح کے بیج، درختوں کی چھال، پودوں کی جڑیں ابال کر کھاتے تھے، جانوروں کی پوستینیں، غیر دباغت شدہ کھالیں، اپنے لباس کے لئے استعمال کرتے تھے اور دنیا بھر کے افسانوں اور خرافات پر ایمان رکھتے تھے۔ جب جنوب مغرب سے اسلام کی روشنی پہنچی تو یہ بالکل بدل گئے (Draper : Intellectual Development of Europe, II p26) زراعت، کھیتی باڑی، معاشرتی رفاہ عام کے کام، اقتصادی اصول، فنون و آلات جنگ، تفریحی زندگی کے طور طریقے سب کچھ انہوں نے مسلمانوں سے سیکھے۔ یورپ کا مورخ لکھتا ہے: پیروان اسلام اسپین میں ایشیا کی ساری لطافتیں اور عیش و عشرت کے سامان لائے اور کوئی قوم زیب و زینت، تفریحی باغوں کی آرائش میں اندلسی عرب سے کبھی آگے بڑھ نہیں سکتی۔"

مغربی زبانوں میں آج بھی عربی الفاظ اس طرح مستعمل ہیں کہ ان کی عربیت صاف طور پر نمایاں ہے:

امیر البحر سے ایڈمیرل (ADMIRAL)، امیر الامراء کی لاطینی شکل (AMMIRATUS AMMIRATORUM)

عربی حروف سے محلات کی تزئین کے لئے لفظ عربسک ARABESQUE وغیرہ بے شمار شہادتیں موجود ہیں۔

اندلسیوں، انگریزوں اور دوسرے یورپین اقوام سے بیشتر عربی بولنے والے قدیم قبائل کی جنوبی امریکا کے

دشوار گذار علاقوں میں موجودگی اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ امریکہ کی دریافت میں کس کو اوّلیت حاصل رہی ہے؟

اٹھارہویں صدی کے اواخر تک ممالک یورپ خصوصاً جرمنی کی یونیورسٹیوں میں الشیخ الرئیس ابن سینا اور ابوبکر رازی کی کتابیں تجربی اور طبی علوم میں داخلِ درس رہیں، اور انہیں اسلامی تجربی معلومات کی بنا پر جرمن سائنس دان دنیا بھر میں شہرت کے میدان میں سب سے پیش پیش رہے۔

مسلمانوں کے تجربی علوم کے مطالعے سے متاثر ہو کر مستشرقین کو اپنے دینی عقائد و رسوم مضحکہ خیز معلوم ہونے لگے، اور انہیں ان کی معقول تاویلات بیان کرنے کی ضرورت پڑی، اپنی دینی تعلیمات کے تحفظ کے لئے انہوں نے علوم اسلامیہ پر اس طرح تبصرہ کرنا شروع کیا کہ ان کی معقولیت میں شک و شبہ پیدا ہو، تاکہ غیر مسلم نوجوان طلبا میں اسلام کی خوبیوں کا اثر نہ ہونے پائے۔ گولڈزیہر، نولڈیکے، ہورگرونیئے وغیرہ نے قرآنی نصوص کو غیر مربوط مضامین کے لحاظ سے غیر منتظم اور مکررات سے پر قرار دیا۔ حدیثوں کو غیر معتبر اور وضع و انتسابٓ کا نتیجہ قرار دیا۔ اسپرنگر، ولیم میور، مارگولیتھ، برگستریسر وغیرہ نے سیرت رسول پر کتابیں لکھیں جن میں شق صدر، وحی، معراج وغیرہ کی عقلی توجیہ پیش کی۔ اور قرآنی آیات کو یہود، نصاریٰ اور صابئین سے اخذ کئے ہوئے معلومات کا مجموعہ قرار دیا، ہالینڈ کی حکومت نے یورپین مستشرقین کے لکھے ہوئے مقالات کا مجموعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ انسائکلوپیڈیا آف اسلام، کے نام سے چار ضخیم جلدوں میں شایع کیا، جس میں بعض غیر اہم تاریخی و سوانح حیات کے سوا سارے فقہی، دینی اور عقاید سے تعلق رکھنے والے مضامین عیسائی اور یہودی مستشرقین کے لکھے ہوئے ہیں پروفیسر گب کی سرکردگی میں حال ہی میں اس انسائکلوپیڈیا کی تلخیص ایک جلد میں شائع کی گئی ہے جس میں صرف دینی تعلیمات اسلام اور مختلف اسلامی فرقوں پر مقالات شائع کئے گئے ہیں جو اکثر و بیشتر غیر مسلم مستشرقین کی تحریر کردہ ہیں اور جن میں سابق انسائکلوپیڈیا کے متعلقہ مقالات تصحیح و ترمیم کے بعد شائع کئے گئے ہیں، بعض اسلامی ممالک کی یونیورسٹیوں میں انگریزی زبان تعلیم ہونے کی وجہ سے اسلامی علوم و روایات اور ثقافت و تاریخ کی تعلیم انہیں مستشرقین کی لکھی ہوئی کتابوں کے ذریعہ ہو رہی ہے۔ جس سے ناپختہ کار، اور ناآزمودہ و نوآموز نوجوانانِ اسلام میں اسلامی قوانین و تعلیمات کے خلاف جذبات نشو و نما پا رہے ہیں ؎

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم ایک سازش ہے فقط دین و مروّت کے خلاف (اقبالؔ)

آج پیروانِ اسلام کو اگر کچھ بھی اس بات کا احساس ہے کہ یہ ہمارا دینی فریضہ ہے کہ اسلام کی صحیح تعلیمات کو محفوظ رکھیں، اور صحیح اسلامی احکام و روایات لوگوں تک پہنچائیں، اور اپنے نوجوانوں کو جادۂ مستقیم سے

دور نہ جانے دیں، تو صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ زبان عربی، یعنی قرآن حکیم کی زبان کو خود سمجھیں اور اپنے اباواجداد اور بزرگانِ دین واسلاف کے کارناموں کو زندہ کریں، ان کی تعلیم واشاعت عام کریں اور دشمنانِ اسلام کی تخریبی مساعی کو کامیاب نہ ہونے دیں۔

بیسویں صدی کے آغاز سے مسلمان مفکرین اہلِ اسلام کے زوال کے اسباب پر خامہ فرسائی کر رہے ہیں مگر صرف قلمی نوحہ خوانی سے قوم وملت اور ملک وحکومت کا تحفظ نہیں ہو سکتا۔ زبانی تعلّی و لفاظی قوموں کی تقدیریں نہیں بناتیں! قومی اور ملّی تحفّظ کے لئے تو کردار واخلاق کی درستگی اوّلین شرط ہے۔ مغربی ثقافت کی تقلید اور غیر ملکی امداد کے وسیلے سے ایک قوم ایک حد تک ترقی کر سکتی ہے مگر یہ ترقی درحقیقت ان اقوام کی ہے جن کے اتباع میں ہم سرشار ہو رہے ہیں ؎

زندہ کر سکتی ہے ایران وعرب کو کیونکر
یہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خود لبِ گور

ہماری ترقی اور خوش حالی تو اسی وقت سمجھی جائے گی جب کہ ہم تقلید کرنے کی جگہ دوسروں کے مقتدا اور امام بن جائیں اور اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کریں، آج ہمیں اس کے سوا کوئی دوسرا طریقِ کار نظر نہیں آتا کہ قرآن حکیم کو اپنا لائحہ عمل بنائیں۔ اور اس کی زبان کو اپنائیں، اور اس کے بتائے ہوئے اصولوں کی قیادت میں قوائے عالم کو تسخیر کریں۔ اگر ہماری نیت صاف وخالص ہے تو کیا عجب کہ ایک بار پھر قرآن پاک کی زبان عالمگیر قوم کی عالمگیر زبان بن جائے اور چار دانگِ عالم میں زبانِ عربی ہی تقدم ترقی، ثقافت وسیادت اور کامرانی وکامیابی کی زبان بن جائے، اس طرح اگر ہم اپنے اذعان ویقین کو دوبارہ محکم بنالیں تو پھر علوم وفنون کی تسخیر ہمارا مطمحِ نظر ہو، اور کوشش واجتہاد اپنا دین وایمان، اور صرف اپنے دین وایمان ہی کو نہ بچالیں بلکہ تکمیلِ دین بھی ہو جائے اور اتمامِ نعمت بھی۔ علامہ اقبال مرحوم نے حالات کا صحیح جائزہ لیا تھا، فرماتے ہیں ؎

قوتِ افرنگ از علم وفن است ۔۔۔ از ہمیں آتش چراغش روشن است
حکمت از قطع وبرید جامہ نیست ۔۔۔ مانعِ علم وہنر عمامہ نیست

(یورپ کی قوت علم وفن سے ہے، اسی آگ سے اس کا چراغ روشن ہے۔ کپڑے کے قطع وبرید کو حکمت نہیں کہتے علم وہنر سے مانع عمامہ نہیں ہے)۔

(باقی صفحہ ۲۶۸ پر)